مقالات

شخصیت پرستی

(۲)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز

(۳) رواۃ پرستی | اس جامد تقلید کی خرابیوں کا احساس آج سے کچھ عرصہ پہلے ہوا اور ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے اس کی شکست وریخت کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یہ کوشش بڑی مبارک تھی لیکن شائد ابھی مسلمانوں کے ابتلا کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اُن کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ

خواستم پیکاں برآرم در جگر نشتر شکست

ائمہ پرستی کے کانٹوں سے دامن چھڑانے گئے تھے خود ایک اور جھاڑی میں الجھ کے رہ گئے۔

نبی اکرم نے خدا کا پیغام دنیا تک پہنچا دیا، اور اس پر عمل کرکے دکھا دیا کہ یہ ہے دین جس کی تکمیل ہوئی ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ دین نام ہوا قرآن کریم اور اسوہ حسنہ کا۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خود باری تعالیٰ نے لے لیا رہا اسوہ حسنہ تو وہ چونکہ ایک محسوس شے تھا، وہ قرناً بعد قرنٍ متواتر چلا آتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ حضور کے جو اقوال وافعال اور اس عہد مبارک کے جو حالات ہم تک بروایت آحاد پہنچینگے وہ یقینی نہ ہوں گے ظنی ہوں گے۔ احادیث کا مجموعہ اسی شق میں داخل ہے اگر وہ بھی جزو دین ہوتا تو حضور احادیث مقدسہ کو قرآن کی طرح لکھوا کر، یاد کرا کر، سن کر سنا کر، اُن کے حفظ وضبط کا اطمینان فرما کر تشریف لے جاتے کہ منصب رسالت کا یہ تقاضا تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ لیکن جب بعد میں اس عہد مبارک کے حالات، جو سینہ بسینہ روایات

کی صورت میں چلے آتے تھے، قلمبند ہوئے، تو احادیث کے مجموعے بھی مرتب ہوئے مورخین نے عام تاریخ کی چھان بین اپنی بساط واحتیاط کے مطابق کی۔ جامعین احادیث (علیہم الرحمۃ) نے احادیث کی ان سے بھی زیادہ تحقیق اور احتیاط سے تدوین کی، کہ یہ محبوب اور ہادی کی باتیں تھیں۔ ان کی جمع وتدوین میں محبت وعقیدت کا جذبہ بھی ساتھ شامل تھا۔ مزید احتیاط یہ بھی کی کہ جن جن واسطوں سے کسی قول یا فعل منسوب الی الرسول کو انہوں نے لیا تھا وہ واسطے بھی محفوظ کر لیے فجزاھم اللہ احسن الجزاء لیکن احادیث کے ان مجموعوں کی چھان بین اس نہج سے کی گئی کہ جس جس راوی سے کوئی حدیث ملی تھی اس کے متعلق حتی الامکان یہ تحقیق کر لیا گیا کہ وہ ثقہ تھا۔ صحیح الحفظ تھا، پرہیزگار تھا۔ متقی تھا۔ عام طور پر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب اس سلسلہ میں دیکھیے کہ کس قدر انسان راستہ میں آگئے۔

(۱) لاکھوں رواۃ حدیث۔

(۲) علماء جرح وتعدیل۔

(۳) جامعین احادیث۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مجموعے تمام تر انسانی کاوش واحتیاط کے رہین منت ہیں اور چند دیگر تاریخ کی دیگر کتب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں لیکن بالآخر ہیں تو انسانی کارنامے ہی خدا کی حفاظت کی ذمہ داری تو ان کے ساتھ نہیں۔ اب ان جامعین احادیث اور علماء جرح وتعدیل کو تنقید سے بالاتر سمجھ لینا اور ان کی ہدایات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا، ان کو بشریت کی سطح سے اوپر لیجانا ہے۔ اور حضرات رواہ کے متعلق خواہ وہ کتنے ہی ثقہ اور عدول ہوں یہ عقیدہ رکھنا کہ ان سے غلط بیانی، یا مفہوم کو غلط سمجھنے یا غلط ادا کرنے کا امکان ہی نہ تھا، ان کو معصوم اور منزہ عن الخطاء قرار دینا ہے جو صرف حضرات انبیاء کرام کا ہی حصہ ہے۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو بات کانوں کے راستے قلب تک پہنچے اور پھر قلب سے زبان کی راہ باہر آئے اس پر قلب انسانی کی رنگینی کا کچھ نہ کچھ اثر ہوجانا مستبعد نہیں۔ اور جب یہ سلسلہ دس بیس کڑیوں تک مسلسل چلا جائے تو

ظاہر ہے کہ قول اول اور قول آخر میں کس قدر انسانی قلوب کی آمیزش ہو جائے گی ضروری نہیں کہ یہ آمیزش
ارادۃً ہی ہو، غیر ارادی طور پر غیر محسوس طور پر اس کا اثر اس میں آجائے گا۔ (اور آمیزش کسی نے بالارادہ
کردی ہو۔ اس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں)، یا تو یہ ہوتا کہ قرآن کی طرح حفظ احادیث بھی باللفظ ہوتا یعنی
الفاظ رسول اللہ ﷺ حفظ کیے جاتے یا لکھے جاتے، اور بعینہٖ وہی الفاظ حرفاً حرفاً منتقل کیے جاتے لیکن
ایسا لفظی تواتر تو سوائے چند احادیث کے اور کہیں ثابت نہیں۔ تواتر معنوی میں اس فطرت انسانی کو
نظر انداز کر دینا فی الحقیقت ان انسانوں کو مافوق البشر سمجھ لینا ہے۔ اور ارباب جرح و تعدیل کے
متعلق یہ کہہ دینا کہ انہوں نے جھوٹ اور سچ کی تمیز میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا
بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس قسم کا علم غیب تو خود نبی اکرم کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اب اس قسم کے کسی مجموعہ
کو جزو دین قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ قرآن کی طرح جوں کا توں واجب العمل ہے دین پر بہت بڑا
اضافہ ہے یہ ظاہر ہے کہ ان مجموعوں کو سب "اقوالِ منسوب الی الرسول" ہی قرار دیتے ہیں۔ پھر ان کو
ایسا سمجھتے ہوئے بھی "اقوال الرسول" کی طرح واجب الاطاعت جاننا کیسے درست ہو سکتا ہے؟
قرآن سے پیشتر کی تمام کتب سماوی کو جو قرآن کریم نے ظنی اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، اس کی
وجہ یہی تو تھی کہ ان کی حفاظت بالالفاظ نہیں ہوئی تھی۔ اصل صحائف کے ضائع ہو جانے کے بعد
ان کے جامعین نے ان صحائف کو اسی طرح سے مرتب کیا تھا جس طرح احادیث کے مجموعے ایک مدت
کے بعد مرتب ہوئے۔ چنانچہ جس طرح ان میں تحریف، وضع، الحاق، ترمیم، نسیان کی گنجائش تھی اسی
طرح احادیث کے مجموعوں میں بھی تھی۔ اُن میں بھی ایسا کچھ ہوا اور اِن میں بھی۔ واضعین احادیث
کے تذکرے خود اس پر شاہد ہیں۔ ارباب جرح و تعدیل نے جو لاکھوں حدیثوں کو غیر معتبر سمجھ کر مسترد کر دیا
وہ اس کی زندہ دلیل ہے۔ اب اگر کتب سابقہ کا کوئی نسخہ یقینی طور پر ان رسولوں کا قول قرار نہیں
دیا جا سکتا، تو احادیث کا کوئی مجموعہ کس طرح یقینی طور پر حضور کے ارشادات گرامی کا مجموعہ قرار دیا

جا سکتا ہے؟ اتباعِ حدیث میں آپ بزعمِ خویش اطاعتِ رسول کر رہے ہوتے ہیں لیکن غور فرمائیے کہ ایک حدیث کو جزوِ دین ماننے کے لیے آپ کتنے انسانوں کو معصوم اور منزہ عن الخطا ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں مقلدین نے تو زیادہ سے زیادہ چار انسانوں کو منزہ عن الخطا قرار دیا تھا مگر یہ اپنے آپ کو تقلید کے پھندے سے آزاد سمجھتے ہوئے لاکھوں انسانوں کو منزہ عن الخطا قرار دے رہے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم آزاد ہو گئے۔

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل   کیا وہ آزادی جہاں یہ حال ہو آزاد کا

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کی تنقید میں اسناد سے بڑھ کر معیارِ قرآنی کو اہمیت دینی چاہیے تھی ہمارے پاس قرآن ایک مستند ضابطۂ دین موجود ہے، ظاہر ہے کہ نبی اکرم کا کوئی ارشاد اصولِ قرآنی کے خلاف قطعاً نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ظنی شئے کو یقینی شے سے پرکھ لیجیے۔ معاملہ طے ہو جائے گا۔ اسناد کو مدارِ صحت قرار دینے میں یہ خرابی ہے کہ جب آپ نے ایک سلسلہ رواۃ کے متعلق یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ثقہ ہیں، تو اب جو بات بھی ان کی وساطت سے آپ تک پہنچے گی اُسے لازمی طور پر "قولِ رسول" ماننا پڑے گا خواہ اس کی حیثیت قرآنی میزان میں کچھ ہی کیوں نہ اُترے حالانکہ یہ بدیہیات میں سے ہے کہ ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا اس بات کے لیے بھی مستلزم نہیں کہ اس کی یادداشت درست ہو، اور اگر یادداشت بھی درست ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اس میں معانی و حقائق کے سمجھنے کی استعداد، اور پھر انھیں اصل اسپرٹ اور موقع و محل کی فقیہانہ جزئیات کو ملحوظ رکھ کر آگے منتقل کرنے کی صلاحیت بھی بدرجۂ اتم پائی جائے یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جسے کوئی عقیدہ جھٹلا نہیں سکتا اس قسم کی روایت پرستی نے ہمیں اصلِ دین سے اس قدر دور پھینک دیا ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اصولِ حدیث میں یہ بات بھی داخل ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے جو اصولِ قرآنی کے خلاف نہ ہو لیکن احادیث کے مجموعوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدہ کی رعایت میں بہت سہل انگاری برتی گئی ہے۔ اگر آج یہ اعتراض

کیا جائے کہ فلاں حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف پڑتی ہے تو اس کا جواب فوراً یہ دیدیا جاتا ہے کہ یہ تمہارے فہم قرآن کا نقص ہے۔ قرآن جیسا ائمہ متقدمین سمجھ گئے ہیں آج کون ویسا سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کو ماننا ہوگا کہ یہ ظاہری تعارض، دراصل تعارض نہیں ہے خواہ اس کے ماننے میں آپ کی بصیرت بغاوت کرے۔ خواہ قرآن کریم کی کھلی کھلی تعلیم اس کی تردید کر رہی ہو۔ حیرت ہے کہ جب یہی دلیل اہل فقہ، فقہ کے وجوب میں لائیں تو یہ پایۂ چوبین قرار دی جائے۔ لیکن جب اپنے دعوی کا اثبات مقصود ہو تو اس کو حصن حصین سمجھ لیا جائے۔ چونکہ آج ہمارا دین یا تو وہ ہے جو تقلید کے راستے سے آیا ہے یا وہ جو روایات کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اس لیے آج جو دین سے عام بغاوت نظر آرہی ہے (مقلدین مغرب کا میں ذکر نہیں کر رہا، ان کے علاوہ بھی) وہ ہونی ضروری تھی، اور میرا تو خیال یہ ہے کہ جس طرح مقلدین حضرات بعض فقہی مجبوریوں کے وقت ادھر ادھر کے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح روایات کے پابند حضرات پر بھی کبھی نہ کبھی ایسی حالت ضرور آجاتی ہوگی کہ جس چیز کے صحیح ماننے پر ان کی بصیرت دلالت نہ کرتی ہو (بشرطیکہ وہ فہم قرآن پر مبنی ہو)، وہ اپنے آپ کو اسے صحیح ماننے پر طوعاً وکرہاً مجبور کرتے ہوں کہ ایسا نہ کرنے سے انھیں ہزارہا ایسے انسانوں کو انسان ماننا پڑتا ہے جنہیں وہ اپنی عقیدت کی رو سے بالاتر از انسان سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ اگر یہ حضرات اتنی سی بات سمجھ لیں کہ قرآن یقینی ہے اور اس کے ماسوا ہمارے دیگر ذرائع علم ظنی، تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ یقین کو چھوڑ کر ظن کا اتباع کسی طور بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (۱۰: ۳۶)

ان میں سے اکثر ظن کا اتباع کرتے ہیں، حالانکہ ظن (انسان کو) حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

روایات پرستی (بلکہ رواۃ پرستی) کے مظاہرے کی ہمارے سامنے دو اہم شہادتیں ہیں، یعنی سنی اور شیعہ

جماعتوں کا وجود ہے۔ سنّی حضرات کے مجموعے اپنے ہیں اور ان کا سلسلۂ روایت تابعین وصحابہ (علیہم الرحمۃ) تک پہنچتا ہے۔ جو تعلیم ان مجموعوں میں جناب نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس سے بہت ہی مختلف تعلیم احادیث کے اُن مجموعوں میں ہے جو شیعہ حضرات کے پاس ہیں اور جن کا سلسلۂ روایت بھی اسی طرح تابعین وصحابہ (علیہم الرحمۃ) تک پہنچتا ہے۔ اب یہ حضرات (کم از کم سنّی حضرات) تو یہ تصور میں بھی نہیں لا سکتے کہ جو بزرگان دین ان احادیث کے راوی ہیں جو شیعہ حضرات کے مجموعوں میں ہیں وہ (نعوذ باللہ) سب جھوٹے اور غیر معتبر تھے۔ ان کو بھی لامحالہ ثقہ ماننا پڑے گا۔ اب صورت معاملہ یوں ہوئی کہ ثقہ رواۃ کی جماعت سے وہ احادیث امت کو ملیں جو سنی حضرات کے ہاں صحیح ہیں۔ اور ثقہ رواۃ ہی کی ایک دوسری جماعت سے وہ احادیث ملیں جو شیعہ حضرات کے ہاں صحیح ہیں۔ اور دونوں آپس میں ٹھیریں متناقض رواۃ کی جہت سے احادیث پرکھنے کے اصول پر آپ کو لازماً ان دونوں قسم کی احادیث کو اقوال رسولؐ ماننا پڑے گا۔ اور یہ دونوں مجموعے واجب الاتباع ہو جائیں گے۔ اب فرمائیے کہ احادیث کو دینی حجت (یقینی شے) نہ ماننے والوں کے خلاف آپ جو معصیتِ رسول کا الزام عائد کرتے ہیں اگر وہی اعتراض شیعہ حضرات آپ پر وارد کریں (اور وہ ایسے اعتراضات اکثر و بیشتر کرتے رہے ہیں) تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ احادیث کو قرآن کریم کے معیار پر جانچ لیجیے۔ یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ اگر کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ارباب جرح و تعدیل یا جامعین احادیث کا ہم مسلک بھی ہو، تو یہ تو صاف پارٹی بازی ہے۔ انصاف نہیں ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو جماعت آپ کی ہم مسلک نہ ہو۔ اس میں سب کے سب جھوٹے اور غیر معتبر ہی ہوں۔ باقی رہی معصیتِ رسول، سو اگر آج کوئی بات ثابت ہو جائے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد ہے تو پھر اسے جو دین نہ مانے اس کو دین سے کیا علاقہ کہ یہ وہ معصیت رسول ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

پھر ایک چیز اور بھی ہے۔ یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ حضورؐ کے بعض ارشادات بہ منصب رسالت ہوتے تھے، اور بعض بالکل ذاتی حیثیت سے۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں الجھنا چاہتا کہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعوں میں جس قدر حضورؐ کے اقوال و اعمال درج ہیں ان میں یہ تخصیص تو کہیں نہیں کی گئی کہ حضورؐ نے کس حیثیت سے ایسا کیا یا ایسا فرمایا۔ اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ امت کے لیے اطاعت اسی کی واجب ہے، جو حضورؐ نے بہ منصب رسالت فرمایا ہو۔ ذاتی حیثیت کے متعلق تو خود حضورؐ کے ارشادات موجود ہیں کہ وہ واجب الاتباع نہیں۔ اب ہم ان احادیث میں سے کسے واجب الاتباع قرار دیں اور کسے نہ قرار دیں؟ ظاہر ہے کہ جس چیز کا پہلے قول رسولؐ ہونا ہی ظنی ہو، اور پھر یہ بھی یقینی نہ ہو کہ اسے حضورؐ نے کس حیثیت سے فرمایا تھا، اسے دین قرار دے دینا کس قدر زیادتی ہے مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْل کا اطلاق اگر عمومی بھی مان لیا جائے، تو بھی احادیث کے مجموعے تو اس ذیل میں آتے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ مجموعے تو رسول نے ہم کو نہیں دیے۔ رسول اور امت کے درمیان اس باب میں تو لاکھوں متفرق انسان آگئے ہیں اور پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ لاکھوں حدیثوں کو یہ کہکر مسترد کر دیں کہ وہ اقوال رسول نہیں ہو سکتیں تو آج امت سے یہ حق کیوں چھن گیا کہ وہ امام بخاریؒ یا دیگر ائمہ احادیث کے مجموعوں کو بھی پرکھ سکیں؟ اگر آج بھی ان مجموعوں کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھ کر ایک الگ مجموعہ تیار کر لیا جائے تو ہر چند وہ بھی یقینی تو نہیں ہوسکیگا لیکن اس میں ایسی باتیں تو نہ ہوں گی جنہیں رسول اللہ کی طرف منسوب کرنے کی قرآن اجازت نہ دے۔ اور جن سے انسانی بصیرت ابا کرے۔ چونکہ یہ مجموعہ پھر تنقید سے بالاتر نہیں ہو سکتا اس لیے ممکن ہے کہ آنے والے زمانہ میں جوں جوں فہم قرآن بڑھتا چلا جائے۔ یہ مجموعہ اور مہذب ہوتا